

کے لئے جو معيار مقرر کیا گیا ہے وہ نبی پاک ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ:

”مسلمان کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن جو موٹیں ہو سکتا۔“ (مالک)

اب اس معيار پر کتنے مسلمان پورے اترتے ہیں اس سے معيار بدل نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح ہر انسان نے اپنے مطلب اور فائدے کے لئے ہر معيار بدلنے کی کوشش کی ہے اس لئے سب انسان مختلف نظر آتے ہیں۔

قبلی غور بات یہ ہے کہ اگر اس دنیا کے سب لوگ قوانین قدرت کے تحت بنائے گئے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزاریں تو دنیا میں کتنی بکسانیت اور ہم آئنگی پیدا ہو گی۔ بھی وجہ ہے کہ مہذب قومیں اپنی طرز زندگی میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں جبکہ غیر مہذب لوگ اپنے انداز میں آپس میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ نہ صرف قوموں کی پسند اور ناپسند بلکہ ان کے معيار زندگی بھی ایک دوسرے سے بکسانیت رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آج کے اس دور میں ساری دنیا کی قومیں مغرب کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں۔ مغرب کی تیز رفتار ترقی کے پیش نظر وہاں کے اطوار پر یہ تیزی کے ساتھ اپناۓ جاتے ہیں۔ یہ جانے کی کسی نے کوشش نہیں کی کہ مغرب نے یہ سب کہاں سے سیکھا۔ اگر ہم دین اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر غور کریں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام نے جو طرز زندگی عام انسان کے لئے وضع کیا ہے وہ قوانین قدرت کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہے اور یہی وہ نظام ہے جو مغرب نے اپنایا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صحیح ذرائع نہ اپنانے کی وجہ سے مغرب پر یہ طرح سے اس نظام سے مستفید نہیں ہو سکا لہذا ہم مغربی نظام زندگی کو بھی بہترین قرار نہیں دے سکتے۔ اس کے باوجود ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مغربی نظام بحر حال بہت سی ایسی خوبیوں کا حامل ہے جو ان کی ترقی کا باعث ہی ہے۔ اس بحث کا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ جب کوئی مغربی نظام کی ان خوبیوں کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مغرب زدہ کہلاتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ان خوبیوں کا تعلق نہ مشرق سے ہے نہ مغرب سے بلکہ یہ صرف زندگی گزارنے کے بہترین طریقے ہیں جو بہترین نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔ بھی وجہ ہے کہ ہمارے ادارے کی ریسرچ کے دوران بہت سے ایسے مقام سامنے آئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مغرب کے طرز نظام اور مغربی کلچر کی بہت سی خوبیاں دراصل دین اسلام ہی کی مرہون منت ہیں۔ مثلاً اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنا، محنت کرنا، صفائی کرنا، لوگوں کے گھروں کی privacy کا احترام کرنا، شادی سادہ طریقے سے اور مسجد یا چرچ میں کرنا، جیزی کا کوئی تصور نہ ہونا اور

## مغربی کلچر یا اسلام

ہم جانتے ہیں کہ دنیا سمٹ کر ایک بڑے سے گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اب کسی بھی معاشرے کی تہذیب و تمدن کا اندازہ بڑی آسانی کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے۔ کسی ملک کی کوئی روایت ہو یا تحریک یا پھر یہ دیکھنا ہو کہ کون سے مالک کن مرحل سے گزر رہے ہیں تو میڈیا اور کمپیوٹر نے ہم سب کی پہنچ ان معلومات سے بہت قریب تر کر دی ہے۔ یہ تبدیلی پوری دنیا میں آئی ہے اور ہمارا ملک بھی اسی تبدیلی میں شامل ہے۔ جس طرح ہم ہر ملک کے بارے میں جانتے ہیں بالکل اسی طرح دوسرا ملک کے لوگ بھی اب ہمیں زیادہ بہتر طور پر جانے لگے ہیں اور بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے مجموعی طور پر پاکستان کے لوگ باقی ممالک پر کوئی خاطر خواہ تاثر قائم نہیں کر سکے۔ وہی عمل جو امریکہ جیسے ملک کے لئے ثابت ہوا اور آج امریکہ دنیا کے لئے رہنمائل بنا گیا ہے، ہمارے لئے منقی اثرات لے کر آیا۔ پاکستانی قوم ایک مغلس اور بد تہذیب قوم کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اگر ہم بھی اسی طرح کے انسان بنائے گئے ہیں جیسے کہ باقی دنیا کے لوگ، تو پھر کیا وجہ ہے کہ قوموں میں اتنا تضاد ہے۔ اس کی وجہ مذہب اس لئے قرار نہیں پاتا کیونکہ کائنات کے سارے مذاہب قوانین قدرت پر یقین رکھتے ہیں اور یہ قوانین ساری قوموں کے لئے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً صحیح اور غلط ہر مذہب میں غلط ہی بتایا گیا ہے۔ جو واضح فرق لوگوں کے طرز حیات میں نظر آتا ہے وہ خود انسانوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ایک خاندان کی طرح پیدا کیا۔ سب کے لئے ایک ہی طرح کے اصول بنائے۔ اگر اصول ایک ہیں تو پھر ان اصولوں کو صحیح طرح نافذ کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سب انسان بھی ایک جیسے ہوں۔ جبکہ صورت حال اس کے بر عکس ہے۔ ظاہری طور پر ہر انسان دوسرے سے فرق ہوتا ہے یا پھر مختلف نظر آتا ہے۔ اگر ہم لوگوں سے یہ پوچھنا شروع کر دیں کہ کیا حق بولنا اچھا ہے یا جھوٹ بولنا، تو چاہے کوئی پچھہ ہو یا بڑا امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت یا پھر کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس کا جواب بھی ہو گا کہ حق بولنا ہی اچھا ہے۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ فطرت اسے انسان ایک جیسے ہیں۔ اب انہی لوگوں سے یہ پوچھنا شروع کر دیں کہ یہ جانتے ہوئے کہ حق بولنا اچھا ہے کیا ہر انسان حق بولتا ہے تو جواب یقیناً مختلف ہو گا۔ یعنی فطرت تو ہر انسان کی ایک سی ہے لیکن ضرورت فرق ڈال دیتی ہے۔ اسی ضرورت کے تحت ہر انسان نے حق اور جھوٹ کا معيار خود بنالیا ہے۔ جبکہ مسلمان

ہے کہ وہ فائدہ دیکھ کر دوسروں کے انداز اس طرح اپنائتی ہیں اور یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ طریقے کار دراصل کس کی میراث تھا۔ یہی ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے بزرگ بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ جدید طرز زندگی مغربی انداز ہے یا پھر ۲۰۰۰ء سال پرانا اسلامی طرز زندگی۔ غور کریں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی اہمیت تو ہمیں بتائی گئی تھی۔ رفع این ختنے سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھی کمائی کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے۔“

(بخاری)

دراصل اسلام **Faith** کا دوسرا نام ہے۔ جب آپ کوئی کام یہ سوچ کر کر لیتے ہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ نے پسند کیا ہے تو صرف سطحی فوائد کا جائزہ لیا جا سکتا ہے جبکہ بے شمار فوائد ایسے ہوتے ہیں جو کصرف تجربے کے بعد ہی سامنے آتے ہیں۔

مشائخ نوکروں کے سلسلے میں ہم یہ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ طریقہ کار نہ صرف مشکل اور اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے بلکہ اسرا ف کے زمرے میں آتا ہے۔ ڈرائیور کی مثال لے لیں۔ ظاہری طور پر یہ لگتا ہے کہ ڈرائیور نہ رکھ کر آپ ڈھائی تین ہزار روپیہ پچالیں گے۔ لیکن غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ایسی تبدیلیوں کا اثر زندگی پر کس طرح پڑتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھیں کہ آپ لاکھوں کی گاڑی لے کر ڈرائیور کے حوالے کر دیں تو گاڑی کا کیا حال ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی سادہ اور انسانی نفیيات کے مطابق ہے کہ جس چیز پر آپ کے پیسے نہ خرچ ہوئے ہوں اس کا آپ زیادہ دھیان بھی نہیں کریں گے۔ اگر آپ اپنی اولاد کو گاڑی دے دیں تو بچے جس طرح اس گاڑی کا استعمال کرتے ہیں اس سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کے بعد ہم ڈرائیور حضرات کو کیا الزام دیں؟ دوسرا اہم تبدیلی جو آپ محسوس کریں گے وہ کچھ اس طرح ہے کہ جب ڈرائیور موجود ہو تو ہر جگہ پہنچ آسان ہوتی ہے۔ یعنی یہ سوچنا بھی نہیں پڑتا کہ جہاں پر آپ جانا چاہتے ہیں وہ کتنا دور ہے اور وہاں جانا کتنا ہم باغیرہ ہم ہے؟ گاڑی چاہے ڈرائیور نے ہی چلانی ہے لیکن وہ گاڑی تو آپ کی ہے اور ہر شیخ کی طرح آپ اسے جتنا زیادہ استعمال کریں گے اس کی عمر کم ہوتی جائے گی۔ پڑول بھی آپ ڈلوار ہے ہیں، قیمتی وقت بھی آپ کا ہی لگ رہا ہے۔ صرف ڈرائیور کے ہونے سے گاڑی کا استعمال کئی گناہ بڑھ جاتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ آسانی دیکھ کر

اور ہم بتاہی کے دھانے پر آکھڑے ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے کہا را تعلق ایسے مذہب سے ہے جس میں پانی پینے کے طریقہ کار تک کو واضح کیا گیا ہے۔ پھر آخراً خرکار کیا وجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں اتنی بے ربط زندگی ہے۔ ہمارے معاشرے میں غلط روایات ایسے روانچاں ہیں ہیں کہ وہ ہماری زندگی کا حصہ بن گئیں ہیں۔ ان روایات کو توڑنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ جب تک کہ ہم ان غلط روایات کی بیاناتک نہیں پہنچیں گے اور انہیں جزوں سے کمال نہیں دیں گے پھر اپنچھانیں چھوڑیں گی اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ زندگی کے موجودہ طریقہ کار کے ساتھ ہم جس حال میں ہیں اس سے کوئی بھی خوش نہیں ہے بلکہ اس تلنے حقیقت سے واقف ہیں کہ ہمارا معیار زندگی گرتا چلا جا رہا ہے اور ہم اس خوش بھی میں پڑے ہیں کہ یہ سب ہم مسلمان ہونے کے ناطے کر رہے ہیں۔ لہذا یہی ٹھیک ہے اور اسی طرز زندگی کو ہی برقرار رکھنا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلہ آئیے یہ دیکھیں کہ یہ کوئی ضروری ہے کہ ہم یہ سب بدلنے کی کوشش کریں جو صدیوں سے ہمارے گھروں میں ہو رہا ہے اور کسی نے بھی اسے بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کی یا پھر یوں کہہ لیں کہ ضرورت تو محسوس کی لیکن ہم نہیں کی۔ کیونکہ تبدیلی کا آغاز یہ سب سے مشکل کام ہے۔ یہ کون چاہے گا کہ پورے معاشرے کے انداز سے ”ہٹ کر“، اپنی زندگی گزارے اور پھر اس حد تک اس طرز زندگی پر قائم رہے کہ کامیابی کے اثرات ظاہر ہونے لگیں اور لوگ یہ سوچنے پر مجبو ر ہو جائیں کہ یہی بہترین طرز زندگی ہے یہ یقیناً صبراً آزم کام ہے۔ عصر فاؤنڈیشن نے ۱۹۹۷ء میں جن **Projects** پر کام کیا ان کے تائج بہت واضح طور پر سامنے آچکے ہیں اور وہ لوگ جنمہوں نے نیا طرز زندگی اپنایا اور کامیاب ہوئے وہ یقیناً ہمارے معاشرے میں بہترین **Role-models** کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آئیے دیکھتے ہیں ان سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں۔ پچھلے سال ایک **project** نوکروں سے متعلق تھا۔ اس سلسلے میں ایک گھرانے نے مکمل طور پر اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر تجربے کے لئے پیش کیا اور کچھ نے جزوی طور پر کام کیا۔ اپنی اپنی جگہ سب کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک گھر کو ہم نمونے کے طور پر (Case Study) لے لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان میں یہ اسلام سفرہست تھا کہ یہیں گھریلو ملازمین کے زندگی کا تصور بھی مغربی انداز ہے اور یہ طریقہ کار تو بابر ہی کامیاب ہے بہاں نہیں چلے گا، جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔ مغرب نے یہ اچھا سمجھ کر اپنا لیا ہے کیونکہ مغرب کے لوگ مادہ پرست ہونے کے ساتھ ساتھ صفائی اور محنت کے اصولوں اور اپنے حقوق کی بڑی آگاہی رکھتے ہیں اور یہ واحد راستہ ہے جو ان سب توقعات پر پورا اترتا ہے۔ کامیاب قوموں کی بھی نشانی

اس کے علاوہ محنت، ایمانداری اور صفائی کے اصولوں پر قائم رہنا اور دوسری بے شمار ایسی انفرادی عادات ہیں جو مغرب کے لوگوں نے اپنالی ہیں اور اب ان کے کلچر کا حصہ بن چکی ہیں۔ جبکہ دراصل یہ اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اب اگر کوئی دین اسلام کا پیروکار ہو اور اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنے کو ترجیح دے۔ اپنے گھر کے طریقہ کار کو اسلام کے متابے ہوئے ہوئے **privacy** کے اصولوں پر قائم کرے یا پھر مشترکہ خاندانی نظام کے تحت رہنے سے گزینے کرے تو کیا ہم اسے مغرب زدہ کہیں گے؟ یقیناً اگر ہم اسلام کا صحیح علم نہیں رکھتے ہوئے تب ہی ہم ایسا کر سکتے ہیں اور یہی حقیقت ہے۔ کم علمی نے ہمیں وہاں لاکھڑا کیا ہے کہ ہمیں یہ بھی خبر نہیں کہ وہ نعمت جو قرآن اور سنت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر خجاہو کی تھی، ہم اسے اپنی غلط سوچ کی وجہ سے خود ہی مغربی کلچر قرار دے کر دوسروں کے حوالے کر چکے ہیں۔ خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے دوسرا قوموں کو ترقی کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور صرف مسلمان کہلانے پر خوش ہیں، چاہے حالات بھکاریوں کی سی ہو۔ یہی الحکم فکر یہ ہے۔ آخر کار وہ کون سی رکاوٹیں ہیں جو ہماری عاداتیں بن گئی ہیں اور ہماری ترقی میں حائل ہیں یا پھر مغرب کے کلچر میں وہ کون سی ایسی خوبیاں ہیں جو ان کی ترقی کا باعث بنی ہیں۔ باوجود اس کے کہ مغرب کے پاس ترقی کا اصل سرچشمہ یعنی قرآن اور حدیث نہیں ہے، غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ مغرب نے چند بنیادی قوانین قدرت اپنا کرتا ترقی کی ہے اور بہت سے ایسے اصولوں سے ابھی وہ ناواقف ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کی نعمت سے محروم ہیں۔ اگر مغربی معاشرے پر سرسری سی نظر ڈالی جائے تو یہ ہمارے معاشرے سے بنیادی طریقہ حیات میں مختلف ہے۔ جن چند موضوعات کو اس زمرے میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے وہ کچھ یوں ہیں:

☆ گھروں کی حدود کے اندر **privacy** کے حقوق

☆ مشترکہ خاندانی نظام کی جگہ چھوٹے خاندان کا رواج

☆ جہنم اور شادی کی رسومات

آئیے دیکھتے ہیں کہ مغربی کلچر میں مندرجہ بالا طرز زندگی کی بیانات کیا ہے (ملازمین کے حوالے سے تفصیل ایک بحث شعور زندگی میں) ”گھر بیلو ملازمین اور ماکان کا تعلق“، میں کی جا چکی ہے) اور ایک بہترین نظام حیات کو مغربی کلچر قرار دینے میں ہم کہاں تک صحیح ہیں۔ ہمارے معاشرے میں کئی معاملات میں بہت زیادہ غلط بھی کا عضر پایا جاتا ہے۔ جس کا ہمارے کلچر پر بہت منفی اثر پڑتا ہے۔ آئیے تجربی کرتے ہیں کہ وہ کون سے عناصر ہیں جن کے جمیعی اثر سے ہمارا معاشرہ سماجی، ڈینی، معاشری اور اخلاقی اقدار کو بیٹھا ہے

- ☆ بے جا اخراجات سے بچا جاسکتا ہے۔
- ☆ کسی کی محتاجی نہیں رہتی۔
- ☆ اپنی "Development" ہو جاتی ہے۔
- ☆ سب کو اپنے کام کرنے کی عادت پڑتی ہے۔
- ☆ صحت کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔
- ☆ ورزش کی وجہ سے تدرست و توانا رہا جاسکتا ہے۔
- ☆ صفائی کے اصولوں کو اپنایا جاسکتا ہے۔
- ☆ زندگی کا مقصد نوکروں سے کام لینے کی بجائے کچھ اور بنایا جاسکتا ہے۔
- ☆ گھروں کی رازداری اور پرده قائم رہتا ہے۔
- ☆ گناہ کا مکان کم رہ جاتا ہے۔
- ☆ سب سے بڑی بات تقریبہ ہے کہ ان سب فائدوں کے علاوہ نبی پاک ﷺ کی سنت کے مطابق اپنا کام کرنے کا ثواب علیحدہ ملے گا جس کا کوئی حساب نہیں۔
- اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ نوکروں کے بغیر کام بڑھ جاتا ہے اس کا حل کچھ یوں ہے۔ ایسے لوگ موجود ہیں جو (On Call) جب آپ کے پاس وقت ہوتا یا ضرورت ہو تو بلاۓ جا سکتے ہیں۔ اگر آپ کا تعلق اس طبقے سے ہے جو دن بارہ ہزار روپیہ ہر ماہ نوکروں پر خرچ کر سکتے ہیں تو وہ سب چیزیں جو انسان کے اپنے آرام کے لئے ہی بنائی گئی ہیں ان کا استعمال کریں مثلاً کپڑے دھونے کی مشین، صفائی کی مشین اور برتن دھونے کی مشین وغیرہ کے ذریعے بہت سا کام ایک ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ جب انسان کچھ کرنے کی خان لے تو اللہ بہت آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ سب سے بڑی آسانی تو یہ ہے کہ ہم گھروں کو ۲۳ گھنٹے صاف ستھرا کر کتے یا اچھے کھانے پکانے اور کھانے کے لئے تو اس دنیا میں نہیں آئے ہیں۔ آخرت میں تو ہر انسان کا حساب اس کے اچھے یا بُرے اعمال سے ہو گا نہ کہ کس نے کتنے کھانے پکائے اور کھائے یا گھر کی صفائی کتنی بار روزانہ کی۔ انسان تو علم حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے تاکہ اللہ کو علاش کر لے اور اس تک پہنچنے کے لئے اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ وہی سیدھا راستہ ہے اور صرف علم کے ذریعے ہی ہم بھکنے سے فیکر کتے ہیں۔ ظاہر ہے علم حاصل کرنے میں ہماری کوئی ملازم مد نہیں کر سکتا۔ یہ کام تو ہمیں خود ہی کرنا ہے۔

نے اس "Project" کے لئے "Volunteer" کیا ایک سال پہلے تک نوکروں کا بجٹ کچھ ایسے تھا۔

ڈرائیور :	۳۵۰۰	صفائی، کپڑے دھونا اور جھاڑ پنجھ :	۱۸۰۰
خانسمامہ :	۲۵۰۰	مالی :	۷۰۰
بچوں کی آیا :	۲۰۰۰	ٹوٹل رقم :	۱۰۵۰۰

اس گھرانے کا تعلق (Upper-middleclass) سے ہے لہذا جیشیت کے مطابق اس کے مکمل ادا کے مکمل ادا نوکری کے جاتے ہیں۔ "۵۰۰۰ روپیے" کے علاوہ بھی وقفہ فتا فقصانات کے علاوہ ان کے لباس، خوارک اور ہائش وغیرہ کم از کم ۵۰۰۰ بھی لگائیں تو تقریباً ۱۵۰۰۰ کا نسخہ ہے۔ یہ تصوری کا ایک Human rights ہے۔ دوسرا طرف اگر ان ملازمین کی تجوہ ہوں پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ rights کے مطابق تقریباً بھی ملازم "Under paid" ہیں۔ اسلامی حقوق کی طرف آجائیں تو وہ بھی پورے نہیں ہو رہے کیونکہ ان ملازمین کی "Development" کا ذکر ہی نہیں ہے جبکہ کم از کم وہ ملازمین جو آپ کے پاس رہے ہیں ان کی مکمل کفالات آپ کی ذمہ داری ہے جس میں ان کی تعلیم و تربیت اچھی خوارک اور وہ ہر چیز جو آپ اپنے لئے پسند کریں " شامل ہے"۔ ان سب ذمہ داریوں کا کوئی انسان تحمیل نہیں ہو سکتا۔ یہی اسلام کی روح ہے کہ براہ راست حکم صادر کرنے کی بجائے اسلام ہمیں وہ طرز زندگی اپنے کی ترغیب دیتا ہے جس کو اپنانے سے ہم بہت سی تباہتوں سے فیکر جاتے ہیں۔

کیا اس طرح یہ دین یعنی طریقہ زندگی اپنانے سے ہم مغرب زدہ ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ یہی واحد طریقہ ہے جو اسلامی اقدار کے مطابق ہے اور بہترین زندگی اور آخرت میں کامیابی کی گارنی دیتا ہے۔ جن لوگوں نے اس طریقہ کا رکاوٹ اپنایا ان کا معیار زندگی بلند ہوا ہے اور دن بدن بہتر ہو رہا ہے۔ اگر آپ ایک ملازم کے سارے حقوق پورے کریں گے تو وہ یقیناً ترقی کر کے ملازموں کی فہرست سے ہی نکل جائے گا۔ (عام فہم زبان میں اس کو کچھ اس طرح واضح کیا جاتا ہے کہ ملازم کا دماغ خراب ہو جائے گا اور ٹھک کرے گا یا چھوڑ کریں گے، بہتر جگہ نوکری کر لے گا) جبکہ اگر ہم اپنے آپ کو "Develop" کریں تو زندگی روز بروز بہتر ہوتی چلی جائے گی۔ آئیے دیکھئے ہیں کہ ہماری زندگی میں اس تبدیلی کے کیا فوائد ہیں۔

ست ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر ڈرائیور بچوں کو سکول چھوڑنے جا رہا ہے تو اس کو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ واپسی پر یہ سودا سلف لے آؤں لیکن ایسے نہیں ہو گا۔ بلکہ جب وہ واپس آجائے گا تو وہ سودا لینے جائے گا۔ جب سودا لینے جائے گا تو وہ بھی کے پاس جانا بھول جائے گا۔ واپس آئے گا تو وہ بھی کے ہاں جائے گا۔ اتنے میں بیگم صاحبہ کے کہیں جانے کا نام ہو جائے گا۔ پھر بیگم صاحبہ کو لے کر شہر کے ایک کونے میں پہنچ گا تو بچوں کو سکول سے لینے کا وقت ہو جائے گا جو کہ شہر کے دوسرے کونے میں ہو گا۔ بعض اوقات تھوالت ایسی صورت حال اختیار کر جاتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ یہ بھی ممکن ہے۔ ایک خاتون اپنے ڈرائیور کے ہاتھوں بڑی پریشان تھیں مسئلہ یہ تھا کہ جب بھی انہیں کہیں جانا ہوتا تو ڈرائیور راستہ بھول جاتا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی تھی جہاں بیگم صاحبہ پہلے نہ گئیں ہوں۔ اس طرح خاتون کے کئی کئی گھنٹے ضائع ہو جاتے۔ سارے پروگرام تباہ ہو جاتے۔ ہم نے مشورہ دیا کہ ڈرائیور کی یادداشت "Test" کر لیں کہ کیا یہ واحدہ مسئلہ ہے جہاں پر اس کی یادداشت اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ خاتون نے اس سے دو میں کام کرو اک اندازہ لگایا کہ ویسے تو وہ ڈنی طور پر ہوشیار ہے صرف راستے یاد نہیں رکھتا۔ ہم نے خاتون کو مشورہ دیا کہ ایک آڈی دفعہ ڈرائیور کو پیچھے بیٹھا کر خود گاڑی چلا کیں اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے خاتون کو گاڑی چلانا آئی تھی۔ انہوں نے ایسے ہی کیا تو وہ ہر جگہ آسانی سے پہنچ گئیں۔ اندازہ لگائیں ڈرائیور کی نوکری تو گاڑی چلانا ہے اگر ایک کام سے فارغ ہو گا تو دوسرا کام کرنا پڑے گا۔ لہذا ایک کام کو ہی لکھا لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ پھر جب تک گاڑی پہلی رہی ہے تو AC لگا ہوا ہے۔ بیگم صاحبہ کی اچھی Company میسر ہے۔ تو اس کا دماغ ہی خراب ہو گا اگر وہ بیگم صاحبہ کو پہنچانے میں جلدی کرے اور خود گاڑی بند کر کے AC اور گاںوں کے بغیر پہنچے یا پھر دوسرے نوکروں کے ساتھ چار پائی پر درخت کے نیچے مٹھا دیا جائے۔ دراصل حقیقت کچھ یوں تھی کہ ڈرائیور ٹھنچ جگہ قریب آتے ہی گاڑی غلط "Lane" میں ڈال دیتا۔ پھر وہ کا غرچہ تو ایک طرف ٹھنچ کو فتح کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم لوگ نوکروں پر اتنا احصار کرنے لگے ہیں کہ خود ان کے نوکر بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہی معاملہ خانسمار کھنکی صورت میں ہوتا ہے۔ جو لوگ خود باور چی خانہ میں جانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے وہ نوکروں کی پسند کا پکا کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ چاہے کتنا ہی محنت کے اصولوں کے خلاف پکایا گیا ہو۔ جب بھوک لگتی ہے تو سب ہی اچھا لگتا ہے۔ صحیح سوچنے کا وقت تو وہ ہوتا ہے جب کھانا پکایا جا رہا ہوتا ہے لیکن بد قسمتی سے یہ ذمہ داری بھی ہم نے اپنے ملازمین کے سپرد کر دی ہے۔ جس گھرانے

## گھروں میں Privacy کے حقوق

ہمارا دین اسلام ایک ایسا نظامِ زندگی پیش کرتا ہے جو ایک انسان کی تمام چیزیں، جسمانی، معاشی اور سماجی غرض یہ کہ تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگر ہم پوری طرح اس نظام کو اپنالیں تو ہماری زندگی نہ صرف نہایت آسان اور خوش گوار ہو جائے گی بلکہ ہم بہت سی قبائلوں سے بھی جائیں گے اور یہ زندگی بھر پور طریقے سے کسی مقصد کے حصول کے لئے گزاری جاسکے گی۔ لیکن اس کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم جو کچھ بھی کریں اسے اچھی طرح سمجھ کر اور مکمل طور پر قبول کریں کیونکہ اسلام ایسا طرزِ زندگی پیش کرتا ہے جو پورا ہی اپنا یا جائے تو زیادہ فائدہ مند ہے اسی لئے قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ”پورے کے پورے اس میں داخل ہو جاؤ۔“ (ابقرہ : ۲۰۸)

اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر ہم ملازم رکھنا چھوڑ دیں اور گھروں کے طور طریقے نہ بدیں تو کیا صورت بنے گی۔ اندازہ لگائیں ملازم نہیں ہیں آپ اپنے گھر میں مصروف ہیں دروازے پر دستک ہوتی ہے، آپ دروازہ کھول دیتے ہیں یادوں بارہ مہمان عین کھانے کے وقت آ جاتے ہیں۔ آئیے دیکھئے ہیں کہ اس طرح کے موقع پر اسلام ہماری کس طرح مدد کرتا ہے گھروں میں آنے کے لئے بہت واضح اصول دیئے گئے ہیں۔

” اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوادوسے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔ جب تک کہ گھروں کی رضانہ لے اور گھروں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ تو قع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر پاکیزہ طریقہ ہے۔

(النور: ۲۷-۲۸)

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی تشخیص میں زوجہ رسول ﷺ جیسی بلند شخصیت پر ایک صریح بہتان کا لگانا اس امر کی نشاندہی کرتا تھا کہ معاشی اور سماجی ماحول خراب تھا اور ہم جانتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو لوگوں پر حکم صادر کرنے کی بجائے ایسا ماحول پیدا کرنے کو ترجیح دیتا ہے جو برائی سے روک سکے۔ ایک دوسرے کے گھروں میں آزادانہ آنا جانا گھروں کی اور گھروں والوں کی "Privacy" تباہ کردیتا ہے۔ کوئی بھی انسان اس سلوک کا مستحق نہیں ہے

## خالی

دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے اپنی تمام تر توانائیاں کہاں پر لگا دیں ہیں کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں چل رہے اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی دنیا اور آخرت دونوں بر باد کرنے پر تھے ہیں۔ یہاں قوم کے لئے لمحہ کریہ ہے۔ نہیں چاہیے کہ ہم غلط عادتوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں اور جہاں کہیں ایسی روایات دیکھیں جو ہمارے کلپر کا حصہ نہیں ہوئی چاہیں تھیں ان کی مذمت کریں۔ ہماری قوم کے اندر جو دوسروں کے کلپر کو اپنانے کا روحان ہے اس نے ہمیں کہیں کا بھی نہیں رہنے دیا۔ جب ہم اپنی غلط روایات پر تکاہ ڈالتے ہیں تو خاص طور پر وہ لوگ جن کے اندر کچھ انسانیت ہوتی ہے اور جو اردو گرد دیکھتے اور غور کرتے ہیں آسانی سے اندازہ لگاسکتے ہیں کہ کس طرح ہماری جھوٹی اتنا نہ ہماری عزت نفس تباہ کر ڈالی ہے۔ غور کریں اس انسان کی عزت نفس کا کیا عالم ہو گا جو ایک ملازم صرف اس لئے رکھے کہ اس کے جوتے پاش کر سکے اور مزید یہ کہ بڑے فخر سے بتائے کہ میرے اتنے ملازم ہیں اور ان میں سے ایک تو صرف جوتے پاش کرنے کے لئے ہے۔ اس طرح کے چھنی امراض کیسا تھا جیسے والی قویں سراہا کر کیسے جیسیں گی؟ کیا ایک ایسا انسان بوقتِ ضرورت اس دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر پائے گا جو چاہے کافر ہی ہو لیکن عزت نفس رکھتا ہو اور بلند روایات کے ساتھ سراہا کر چلا سکے چکا ہو۔ ملازم چاہے جوتے پاش کرنے کے لئے ہو یا ایک ناگ پر کھڑا رہنے کے لئے تاکہ ضرورت کے تحت اس سے کام لیا جاسکے ہمارے کلچر کا حصہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور سر جھکا کر شرمندگی سے جینا ہماری روایات کا حصہ نہیں ہو سکتا۔

"یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا سے اللہ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے ہمیں بہرہ ہی ہیں جس میں وہ ہمیشہ ہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔" (النساء : ۱۳)

جب ہم ایسا طرز زندگی اپناتے ہیں جو دوسروں سے مختلف ہوتا ہے تو اکثر اوقات لوگوں کی تالپرندی گی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب میرا محاملہ ہو تو سخت اور دوسرے انسانوں کا ہو تو نرم دل ہوتے ہیں۔

"محمد ﷺ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔" (التحت : ۲۹)

لہذا اللہ کے احکامات پر ڈٹے رہنے والوں کو مغرور تو نہیں کہا جا سکتا بہر حال وہ اپنے ارادوں میں اتنے سخت ضرور ہوتے ہیں کہ حقیقت پسند نظر آتے ہیں اور بعض اوقات غیر ارادی طور پر سخت دل بھی جانے جاتے ہیں۔ ایک اور عام وجہ اس طریقہ کارکنوئے اپنائے میں سامنے آتی ہے وہ مغربی انداز ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مغرب کے لوگ اپنے گھروں میں دوسروں کی مداخلت (Privacy) کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ پہلے وقت مقرر کیا جاتا ہے اس کے باوجود بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ گھر کے باہر ہی بات چیت کر لی جائے۔ سوائے چند بہت قریبی لوگوں کے ایک دوسرے کے گھروں میں چانا کوئی پسند نہیں کرتا۔ جب تک کہ باقاعدہ دعوت نہ ملے۔ اب ہم اگر سورہ النور کی آیت نمبر 27 کا بغور مطالعہ اور غور و فکر کریں تو اس میں اجازت کی بجائے رضا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خالی پوچھ کر اندر آ جانا ہی کافی نہیں ہے اور نہ ہی فون پر یہ کہنا کہ تم آ رہے ہیں کافی ہے بلکہ اس سے مزید آگے بڑھ کر یہ پوچھنا ضروری ہے کہ کیا ہم آ سکتے ہیں کوئی مصروفیت تو نہیں ہے۔ ایک لفظ کے بدلنے سے بہت برا فرق پڑ جاتا ہے۔ بعض اوقات لوگ گھر فون کر کے پچھوں یا پھر ملازم کو بتا دیتے ہیں کہ ہم آ رہے ہیں جبکہ یہ کافی نہیں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں صحیح جواب کی امید نہیں رکھی جاسکتی اور اس طرح گھروں کے لئے بڑی پریشانی کا باعث بننے والی صورت حال بن جاتی ہے۔

جہاں تک ان لوگوں کے رویے کا تعلق ہے جو سب علم رکھنے کے باوجود اس طرح کے اقدام کی

ہیں۔ کیونکہ ان کی جھوٹی اتنا برداشت ہی نہیں کر سکتی کہ کوئی اُخیں اس طرز کو اپنانے کے لئے کہے جو لوگ یہ نہیں جانتے کہ یہ واضح حکم قرآن پاک کا حصہ ہے اُنہیں قرآن پاک ذرا دھیان سے پڑھنا چاہیے۔ جو کوئی یہ سمجھے کہ قرآن وحدیت پر عمل کئے بغیر بھی کوئی مسلمان کہلانے کا حقن کھتا ہے تو اُنہیں اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ ایک مسلمان کا طریقہ قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ الہدایہ انداز زندگی جس میں بے تکلفی سے مہماں بغیر اطلاع کئے آتے جاتے ہیں نہ صرف غیر مہذب اور دیقاںوی ہے بلکہ قرآنی حکم کے بر عکس ہے۔ جہاں تک آپس میں الفت و محبت کا تعلق ہے اگر کوئی انسان اس اللہ سے تو محبت نہ کر سکے جس نے اس قابل بنایا کہ لوگ اس کے گھر آنے میں عزت محسوس کرتے ہیں یا اُنہیں رکھتے ہیں اور تعلقات رکھنا چاہتے ہیں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے تعلقات صرف دنیاوی فائدوں کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ ان تعلقات سے وقت فائدے تو ہو سکتے ہیں کیونکہ لوگ آپ کو مہماں نواز سمجھیں گے اور آپ کے گھر کو اپنا گھر سمجھیں گے۔ لیکن کسی ایسے کام کا جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ ہو بلکہ اسکے بر عکس ہونہ صرف دنیاوی لحاظ سے بے فائدہ ہو گا بلکہ اس سے آخرت میں بھی اجر کی توفیق نہیں کی جاسکتی۔

حضرت اُنسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہ ہو گا جب تک کہ اس کے دل میں اپنے والدین اور اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ ہیری محبت نہ ہو جائے گی۔" (مسلم)

ہم اللہ سے محبت کے بغیر کیا اس کے بندوں سے محبت کی امید رکھ سکتے ہیں؟ مسلمان ہونے کے ناطے اگر ہم اللہ سے محبت رکھتے ہیں تو اس کا اظہار ہمارے اعمال کے ذریعے ضروری ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کا طریقہ کار ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ صرف کم علم یافتہ لوگوں کا طریقہ ہے۔ جن کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان اس حکم کے نافذ ہونے میں اپنی بے عزتی محسوس کرتا ہے اور عمل کرنے والے کو مغرور تصور کرتا ہے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ عزت اس کا حکم مانند ہے جو ساری عزت کا مالک ہے اور اسی میں سے دوسروں کو بھی عزت بختنے بنتے چاہتا ہے۔

"کہو کہ اے اللہ (اے) بادشاہی کے مالک جو جس کو چاہے بادشاہی بخشنے اور جس سے چاہے بادشاہی سمجھیں لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی تاھم میں ہے بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

کوئی زندگی دوسروں کے لئے گزارنی پڑے۔ آپ اپنے ہی گھر میں ہر وقت اس لئے تیار ہو کر بیٹھنے رہیں کہ کوئی بھی آسکتا ہے۔ اس کے لئے گھر بھی صاف ہونا چاہیے مہماںوں کی خاطر تواضع کے لئے بھی کچھ نہ کہہ تیار رکھا جائے گا۔ اب اگر کوئی آگیا تو آپ کی محنت ٹھکانے لگ جائے گی اور اگر کوئی نہ آیا تو آپ کی زندگی کا ایک اور اہم دن اس انتظار میں گزر گیا کہ کوئی تو آئی سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی براہمیوں کو بہت بڑی طرح نظر انداز کیا جاتا ہے۔ دراصل ہمیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ ان طریقوں کا ہماری زندگیوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ جبکہ ہم غور کریں تو اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں یہ حکم دیا کہ جو آسمانی ستا بول میں سب سے اہم اور آخری کتاب ہے اور جہاں زندگی کے بڑے بڑے اصول اور قوانین واضح کر دیے تھے۔ جس کتاب کا ایک ایک لفظ اپنے اندر سمندر رہوں جیسی گہرائی اور آسمانوں کی سی بلندی رکھتا ہے، ہم نے کتنی آسمانی سے اس حکم کو بھلا دیا اور ہماری نسلیں اس کو تباہی کی قیمت پکانے پر مجبور ہیں۔ آئیے آج ہم یہ دیکھیں کہ اللہ کے حکم سے اخراج نہیں کہاں لا کھڑا کیا ہے اور اب ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے ادارے کی ریسرچ کے دوران اس حکم خدا وندی کے نافذ نہ ہو سکنے کی جو جو بات سامنے آئیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

☆ اکثر لوگ سرے سے یہ جانتے ہی نہیں کہ یہ حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔  
☆ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے دروازے مہماںوں کے لئے ہمیشہ کھل رہتے ہیں۔

☆ بے تکلفی سے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا محبت کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔  
☆ مہماںوں کا زیادہ آنا جانا (Status Symbol) معاشرے میں اونچا مقام رکھنے والوں کا طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

☆ اگر کسی کو کہا جائے کہ آنے سے پہلے اطلاع دے دیں تو لوگ اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں اور ایسا کہنے والے کو مغرور خیال کرتے ہیں۔

☆ اس طریقہ مگر کو مغربی انداز بھی کہا جاتا ہے کیونکہ مغرب کے لوگ اسی طرز کو اپنائے ہوئے ہیں۔  
☆ کچھ لوگ اور پریتاں گئی ساری وجوہات کے نہ ہونے کے باوجود ان لوگوں کے گھر بغیر اطلاع آتے ہیں جو اس غلط طرز زندگی سے جان چھڑانا چاہتے ہیں ان میں خاندانوں کے بزرگوار سر فہرست

5۔ جب اس حکم کا نفاذ ہوا تو لوگ اس کے آداب سے واقف نہ تھے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور دروازے سے بولا کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ” اسے اجازت لینے کا طریقہ نہیں آتا۔ اسے کہنا چاہیے تھا السلام علیکم! کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں؟ ”

اسی طرح جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں کسی کام کے لئے رسول ﷺ کے پاس گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے میں نے عرض کیا کہ میں ہوں، آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ دوہرایا:

” میں ہوں ” ”میں ہوں ” اس سے کوئی کیا سمجھے کہ تم کون ہو۔ ” (بخاری)  
اس طرح کئی موقع پر رسول ﷺ نے گھروں میں داخل ہونے کا جو طریقہ واضح کیا کہ اپنا نام بتا کر اور ”السلام علیکم“ کہہ کر اجازت طلب کی جائے۔

6۔ اجازت لینے کے لئے رسول ﷺ نے تین مرتبہ کی حد مقرر کی ہے۔ یہ تین مرتبہ پکارنا یا آج کل کے مطابق ”Bell“ بجانا یا دروازہ کھٹکھٹانا پے درپے نہیں ہونا چاہیے بلکہ شہر ہر کر پکارنا چاہیے تاکہ صاحب خانہ کو فارغ ہونے کا موقع مل جائے۔

7۔ اجازت صرف صاحب خانہ کی یا پھر کسی دوسرے ذمہ دار شخص کی معتبر ہوگی۔ نہیں کہ پچھے یا ملازم سے دروازہ کھلوایا اور اندر گھس آئے۔

8۔ اجازت طلب کرنے میں بے جا صرار یا اجازت نہ ملنے کی صورت میں دروازے پر حکم کر کھڑے ہو جانا جائز نہیں ہے۔

9۔ اجازت نہ ملنے کی صورت میں بُرانیں ماننا چاہیے۔ آج کے دور میں جگہ گھروں کے فالصے بہت بڑھ گئے ہیں اور کسی کے گھر آنے میں کافی وقت اور محنت درکار ہوتی ہے۔ پہلے سے اجازت لے لئی چاہیے تاکہ اجازت نہ ملنے کا ذرہ نہ رہے۔ بہر حال پھر بھی اگر کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ پروگرام نہ بن سکتے تو یہ سوچ کر کسی کے گھر جانا چاہیے کہ اگر اہل خانے واپس کر دیا تو بُرانیں سمجھیں گے۔ اس میں بُرانے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کسی کو اجازت نہ دینے کا حق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننا اور اس کی دی ہوئی حدود کو برقرار رکھنا ہی ہمارا اولین مقصد حیات ہونا چاہیے۔ اس طرح کے موقع پر جو بھی آپ کا رد عمل ہو گا وہ اللہ اور آپ کے درمیان ہے۔ کیونکہ یہ اسی کے باتے

1۔ رسول ﷺ نے ”Privacy“ کے حق کو صرف گھروں میں داخل ہونے کے سوال تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک ایسا حق قرار دیا جس کی رو سے دوسروں کے گھروں میں جھانکنا، باہر سے نظر ڈالنا حتیٰ کہ کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا بھی منوع قرار دیا۔ حضرت ثوبانؓ (رسول ﷺ کے آزاد کردہ غلام) سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

” جب نظر داخل ہو گئی تو پھر خود داخل ہونے کی اجازت مانگنے کا کیا موقع رہا۔ ”  
اسی طرح ایک اور موقع پر جب ایک شخص رسول ﷺ کے ہاں حاضر ہوا تو یعنی دروازے پر کھڑا ہو کر اجازت مانگنے لگا۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

” پڑے ہٹ کر کھڑے ہو اجازت مانگنے کا حکم اس لئے ہے کہ نگاہ نہ پڑے۔ ”  
(بخاری)

رسول ﷺ کا اپنا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو دروازے کے عین سامنے کھڑے نہ ہوتے۔ کیونکہ اس زمانے میں گھروں کے دروازوں پر پودے تو نہیں ہوتے تھے لہذا آپ ﷺ دروازے کے دامیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت مانگ لیا کرتے تھے۔

” ایک شخص نے سوراخ میں سے آنحضرت ﷺ کے چُرے میں جھاٹکا اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں پشت خارچا جس سے سر کھجلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا  
اگر مجھ کو معلوم ہوتا تو جماں کر رہا ہے تو میں تیری آنکھ پر مارتا۔ ” (بخاری)

2۔ نگاہ ہی کے حکم میں ساعت کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً اگر انداھا شخص بلا اجازت آئے تو بھی غلط ہے کیونکہ وہ دیکھنے سکتا ہیں بلکہ اجازت گھروں کی کوئی بھی بات سن سکتا ہے۔ باقی سنایا ہی بے جا مداخلت میں شامل ہے۔

3۔ اجازت لینے کا حکم نہ صرف دوسروں کے گھروں کے لئے ہے بلکہ اپنے گھر میں بھی جہاں دوسرے لوگ رہتے ہیں اجازت کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ اگر گھر میں صرف یوہی بھی ہو تو داخل ہوتے وقت کھنکار دینا چاہیے۔ رسول ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ اوپری آواز میں سلام کرتے اور اکٹھ کھانے کی کسی چیز کا دریافت فرماتے۔

4۔ اجازت طلب کرنے کے حکم سے صرف ایک صورت میں چھوٹ ہے کہ اگر گھر پر کوئی مصیبت آجائے مثلاً آگ لگ جائے، چور آجائے وغیرہ۔

حوالہ افزائی نہیں کرتے، ان سے آرام سے بات کر کے انہیں سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ یہاں یا آپ کے باتے ہوئے اصول نہیں بلکہ اللہ کے باتے ہوئے قاعدے ہیں اور ان پر عمل کرنا ہم سب پر فرض ہے۔ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا الیہ یہ ہے کہ ہم گھر بناتے ہیں تو دوسروں کو دکھانے کے لئے لباس پہننے ہیں تو دوسروں کو دکھانے کے لئے۔ یہاں تک کہ کھاتے بھی وہی ہیں جو دوسرے دیکھ کر متاثر ہو سکیں۔ اگر ہم اپنے رہنے کے لئے گھر بنائیں تو بھی اس میں آرام اور پرداہ کا لحاظ رکھیں گے۔ لباس کے سلسلے میں بھی اگر ہم صرف اپنے آرام اور اطمینان کے لئے لباس پہننا چاہیں تو وہ یقیناً اس سے مختلف ہو گا جو ہم شبازی کے لئے پہننے ہیں۔ کھانے کے سلسلے میں ہمارے یہ سمجھاتا ہے کہ موٹے تازے لوگ وہ ہوتے ہیں جو کھاتے پیتے گھر انوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو موٹا ہونا تو پیار ہونے کی علامت ہوتا ہے۔ نہ صرف میڈیا میکل سائنس یہ ثابت کر چکی ہے کہ ڈنی طور پر اضطراب اور بے چینی کے شکار لوگ موٹے ہوتے ہیں، بلکہ نبی پاک ﷺ کی اس حدیث شریف کے بعد کہ

”مُؤْمِنُ اَيْكَ آنَتِ میں کھاتا ہے اور کافر سات آنَتوں میں۔“ (مسلم، بخاری، مکہۃ)  
اُس معاملے میں کسی قسم کی توضیح کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر ہم ہر وقت اسی پریشانی میں رہیں گے کہ لوگ کیا کہیں گے تو ہماری زندگی کا کنٹرول ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ ہم اگر ادو گرو نظر دوڑا کیں تو صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔ اکثر خواتین سے پوچھیں کہ کوئی کام کیوں نہیں کرتیں، کتاب ہی پڑھ لیا کریں تو جواب بھی ملتا ہے کہ بُس کیا کریں مہمان پیچھائیں چھوڑتے۔

مہماں کا آنا جانا باعثِ رحمت ہو ہونا چاہیے نہ کہ باعثِ زحمت اور اصل ہم نے اپنی کم علمی کے باعث اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی بہت سی نعمتوں کو خدا اپنے لئے زحمت بنا لیا ہے۔ یہ طریقہ تو دوڑ جہالت میں اہل عرب کا تھا کہ وہ بے تکلف صحیح بخیر یا شام بخیر کہتے ہوئے ایک دوسرے کے گھروں میں گھس جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کارکی اصلاح کے لئے یا اصول مقرر کیا کہ ہر شخص کو اپنے رہنے کی جگہ میں ”Privacy“ کا حق حاصل ہے۔ کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی ”Privacy“ میں دخل اندازی کرے۔ اس حکم کے نزول کے بعد رسول ﷺ نے جس طرح اس کی تفصیل فرمائی آئیے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہوئے اصول ہیں۔ ایسے موقع پر ناراض ہونا بھی اسی اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے سے ناراضگی ہوگی۔

جس کی جرأت ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اس طریقے کو اپنانے میں جو فائدے ہیں اس کا ہم اندازہ بھی نہیں لگ سکتے۔ جب تک کہ ہم یہ طریقہ اپنانے لیں۔ چند تبدیلیاں جو فوری طور پر ظاہر ہونے لگتی ہیں وہ یہ ہیں کہ

○ ڈنی پر بیشافی نہیں رہتی۔

○ صفائی خود کرنی ہو یا ملازم سے دن کے کسی بھی حصے میں کروائی جاسکتی ہے جبکہ لوگوں کے ذر سے سب سے پہلے بھی کام کیا جاتا ہے بلکہ ہمارے ہاں ایک تو گرد بہت بڑتی ہے اور دوسرا طرف لوگوں کو اپنی چیزوں سینٹنے کی عادت نہیں ہے۔ سارا دن گھروں کی صفائی ہی ہوتی رہتی ہے۔

○ جب کسی کے آنے کا خطرہ نہ ہو تو آپ گھر میں پرانے کپڑے پہن سکتے ہیں۔ صرف صاف لباس ہونا چاہیے۔ استری بھی نہ کریں تو مضافات نہیں۔ گھر میں آرام دہ لباس میں رہیں۔ گھروں کے اندر پر دے کی بھی پابندی نہیں ہے۔ لہذا ہم ضرورت اور موسم کے لحاظ سے بلکہ چکال لباس پہن سکتے ہیں۔ جبکہ دیکھا گیا ہے کہ ہم جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو پر دے کا لحاظ کریں یا نہ کریں۔ گھروں کے اندر ضرورت سے زیادہ محتاط ہوتے ہیں۔ ہر وقت کسی کے آنے کا ذریغہ رہتا ہے۔

○ قرآن سے دوری نے ہماری زندگی کوں مشکل میں ڈال دیا کہ گھروں میں بجٹ نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کیا پکایا جائے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں یا پھر ہر کوئی اپنا رزق لے کر آتا ہے وغیرہ تو یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جس اللہ نے یہ سب سکھایا ہے اس نے کچھ اصول بھی بتائے ہیں تاکہ ہم ایک مہذب اور ترقی یافتہ قوم کہلائیں۔ ہم دنیا میں کچھ کام کرنے کے لئے بھیج گئے ہیں۔ ہمارا کوئی بھی عمل جو ہماری زندگی کے نظم یعنی discipline کو خراب کرے یقیناً ہمارے مقصد حیات میں بے جا مانگت کا باعث بنے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کتنا مختروقت دیا گیا ہے کہ جو ہمیں اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے درکار ہے۔ اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ غلط طریقہ کارپانا کر ہم باقی دنیا سے کس قدر پیچھہ رہ گئے ہیں۔ آج کا مسلمان مہمان نواز تو سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ اس کی اس دنیا میں کیا حیثیت ہے وہ بھی ہم سب جانتے ہیں۔ شعور ہم سے یہ تقاضہ کرتا ہے کہ ہم ایسی درمیانی را اختیار کریں کہ دنیا ہم پر نازکرے۔ جب مسلمان کا ذکر ہو تو وہ نہ صرف مہمان نواز کہلانے بلکہ مضبوط کردار کا ایسا شامونہ بھی پیش کرے جو بہترین

## خالی

اقدار کا حامل ہو۔ خالی مہمان نواز ہونے سے تو کام نہیں چلے گا۔  
ہمارے سامنے نبی پاک ﷺ کی زندگی کی مثال موجود ہے جنہوں نے قرآن پاک کو عملاً زندگی کا حصہ بنا لیا۔ آپ نبی پاک ﷺ کی ایک حدیث جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:  
”ایک بستر تیر ایک تیری بیوی کا“ تیرا مہمان چو خاشیطان کا۔“

اس حدیث میں مہمان کے لئے صرف ایک بستر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اگر ہم اپنے طرز زندگی پر نظر دوڑاں ائم تو پہنچ یہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں مہماںوں کے ذر سے پیشیاں بھر بھر کر بستر کے جاتے ہیں۔ گیسٹ روز بناۓ جاتے ہیں کہ کبھی کوئی مہمان آسکتا ہے۔ یہ سب ہم اس لئے نہیں کرتے کہ ہم مہمان نواز ہیں بلکہ اس مقصد کے لئے تیار کیا جاتا ہے کہ لوگ ہمیں مہمان نواز سمجھیں اور دیکھیں کہ ہم کتنی دوڑ کی سوچتے ہیں۔ سال میں ایک یاد دو دفعہ آنے والوں کے لئے لاکھوں کے گھر بنا کر اور سجا کر رکھتے ہیں۔ جہاں ایک فال تو بستر کو پسند نہیں کیا گیا وہاں ہم ان سب چیزوں کا کیا جواب دیں گے؟ نبی پاک ﷺ سے زیادہ مہمان نواز کوں ہو گا۔ لیکن وہ مہماںوں کے خیال سے بڑے گھر میں تو نہیں رہتے تھے نہیں کچھ جمع کر کر رکھتے کہ مہمان آسکتے ہیں۔ البتہ جب کوئی مہمان آ جاتا تو اپنے حصہ کا کھانا اسے ضرور دے دیتے تھے۔ ہم بھی یہ کر سکتے ہیں کہ اچاک ک آنے والے مہماںوں کے آگے گھر میں جو کچھ ہو رکھ دیں اور پروگرام بنا کر آنے والوں کی اچھی غاطر تواضع کریں۔ بحر حال آج کی بحث سے یہ طے ہے کہ اچاک ک چلے آنے والے مہماںوں کی حوصلہ گئی کی گئی ہے۔ لہذا چاہے دل پر پھر رکھنا پڑے ہمیں اس دنیا میں با مقصد زندگی گزارنے کے لئے انہی اصولوں کو اپنانا ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائے اور نبی پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنائے۔